مجلس خدام الاحمدیہ کا تفصیلی پروگرام

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس خدام الاحمدیہ کا تفصیلی پروگرام

(تقریر فرمودہ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۴۵ء برموقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ)

(اس مضمون کو لکھنے والے نے بہت خراب کر دیا ہے۔ اکثر جگہ دلیل کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے دوسرا چھوڑ دیا ہے بعض جگہ واقعات ہی بدل ڈالے ہیں۔ میں نے کاٹ کاٹ کر ترتیب درست کرنے کی تو کوشش کی ہے مگر پھر بھی افسوس ہے کہ مضمون کی اہمیت کو بہت نقصان پہنچ گیا ہے۔)
(مرزا محمود احمد)

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں نے اِس دفعہ کے پروگرام میں دیکھا ہے کہ یہ مجلس خدام الاحمدیہ کا ساتواں سالانہ جلسہ ہے۔ سات کا عدد اسلامی اصطلاح میں تکمیل پر دلالت کرتا ہے۔ پس ہر ایک خادمِ احمدیت کو اپنے دل میں غور کرنا چاہئے کہ آیا اِن سات سالوں میں اُس کی یا اُس کے محلّہ کی یا اُس کے شہر کی یا اُس کی قوم کی تکمیل ہوگئی ہے؟ سات سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کے سات سال بعد یعنی آٹھویں سال تمام عرب پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور وہ مُلک جو ایک سرے سے دوسرے تک اسلام کی مخالفت میں کھول رہا تھا اور اس کا جوش دوزخ کی آگ کو مات کر رہا تھا عاشقوں اور فدائیوں کے طور پر آپ کے قدموں میں آ گرا۔ اِس سات سال کے عرصہ میں صحابہؓ نے مُلک کی حالت کو بدل ڈالا ،قلوب کی حالت کو بدل ڈالا اور اُن کے اندر زمین و آسمان کے فرق کی طرح امتیاز قائم کر دیا۔ پس خدام الاحمدیہ کو بھی سوچنا چاہئے کہ انہوں نے اس سات سال کے عرصہ میں مُلک کو چھوڑ کر، ضلع کو چھوڑ کر، شہر کو چھوڑ کر، محلّہ کو چھوڑ کر، گھر کو چھوڑ کر صرف اپنے دل میں کیا فرق اور امتیاز پیدا کیا ہے۔ انسان دوسروں

کے متعلق ہزاروں باتیں کہتا ہے اگر حق قبول کرنے کے متعلق کوئی بات ہو تو لوگ فوراً دوسروں کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ نادان لوگ ہیں سنتے نہیں، جاہل لوگ ہیں کسی بات پر غور نہیں کرتے، دنیا کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور دین کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ لیکن اگر یہی باتیں ان کے اپنے اندر پائی جائیں تو کیا یہی باتیں وہ اپنے متعلق کہنے کو تیار ہوتے ہیں؟ اپنے ہمسائے کے متعلق ہمیشہ کہتے رہیں گے کہ بڑا اضدی ہے نہیں مانتا دو تین سال سمجھاتے ہو گئے ہیں پھر بھی نہیں سمجھتا لیکن اگر ان کے اپنے متعلق یہی سوال ہو تو کیا وہ اپنے نفس کے متعلق بھی یہی کہیں گے کہ بڑا اضدی ہے نہیں مانتا، بہت سمجھایا ہے نہیں سمجھتا۔ ہمسائے کے متعلق یہ عُذر کر دیتے ہیں کہ سنتا ہی نہیں بڑا جاہل ہے مگر کیا اپنے نفس کے متعلق بھی یہی کہیں گے کہ سنتا ہی نہیں بڑا جاہل ہے۔ اپنے ہمسائے کے متعلق تو کہہ دیتے ہیں کہ سارا دن دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے دین کے کاموں کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر کیا اپنے نفس کے متعلق بھی یہی کہیں گے کہ سارا دن کام میں لگا رہتا ہوں اس لئے دین کے کاموں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا۔ غرض وہ کونسا جواب ہے جو اپنے ہمسائے کے لئے دیتے ہیں اور اپنے لئے بھی وہی جواب پسند کرتے ہوں۔ اگر کوئی شخص ان کی طرف سے یہی جواب دے تو لال لال آنکھیں نکال کر دیکھیں گے اور کہیں گے اس نے میری ہتک کر دی۔

پس یہ ایک اہم سوال ہے اور ہر خادم کو اس امر کے متعلق غور کرنا چاہئے کہ اس سات سال کے عرصہ میں اس نے کیا کیا۔ جہاں تک اہم باتوں کا سوال ہے ابھی تک خدام ان میں بہت پیچھے ہیں۔ حاضری کو ہی دیکھ لو کتنی کم ہے، بیرونی جماعتوں کی طرف سے پچھلے سال چودہ نمائندے آئے تھے اور اِس سال اکتیس نمائندے آئے ہیں ہماری جماعتیں آٹھ سَو سے زیادہ ہیں اور جو جماعت آٹھ سَو سے زیادہ شاخیں رکھتی ہو اُس کے صرف اکتیس نمائندے آئیں تو یہ کوئی اچھا نمونہ نہیں بلکہ ایسا نمونہ ہے جسے دشمن کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہمارے ماتھے پر پسینے کے قطرے آجاتے ہیں۔ ہم دوسروں کو بُرا کہتے ہیں لیکن ہماری اپنی حالت بعض باتوں میں اُن سے زیادہ کمزور ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت کا نمونہ اکثر باتوں میں دوسری جماعتوں کی نسبت اچھا ہے لیکن بعض باتوں میں ہم ابھی تک اُن کا مقابلہ نہیں کر سکے۔

مثلاً خاکساروں کی تعداد ہماری تعداد سے بہت کم ہے اور ہماری جماعت اُن کی نسبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے اور اُن سے بہت زیادہ مقامات پر پائی جاتی ہے۔ اگر خاکساروں کی طرف سے کسی جگہ پر جانے کا اعلان ہو جائے تو بسا اوقات دو دو، تین تین ہزار آدمی دو تین مہینے تک ایک ہی شہر میں پڑے رہتے ہیں۔ اُن کی کبھی یہ غرض ہوتی ہے کہ مسٹر محمد علی جناح پر اثر ڈالیں یا گاندھی جی پر اثر ڈالیں اور کبھی یہ غرض ہوتی ہے کہ لکھنو جا کر مدحِ صحابہؓ کے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے کھانے اور دوسرے اخراجات کا خود ذمہ دار ہوتا ہے مگر ہمارے خدام کی یہ حالت ہے کہ اپنے سالانہ اجتماع پر کُل اکتیس جماعتوں نے نمائندے بھیجے ہیں۔ بے شک ایک سَو اِکسٹھ خدام اور بھی اپنے طور پر شامل ہوئے ہیں لیکن اپنی خوشی سے شامل ہونا اور بات ہے اور اپنے فرض کو پورا کرنا اور بات ہے۔ اور یہ ایک سَو اِکسٹھ خدام جو آئے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جو قریب ترین جگہوں کے رہنے والے ہونگے یا ایسے ہونگے جنہوں نے قادیان آنا تھا اور انہوں نے اپنا پروگرام اس اجتماع کے ساتھ متعلق کر لیا۔ اُن کا آنا خدام الاحمدیہ کے جلسہ کے لئے نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ جس طرح عام طور پر لوگ قادیان آتے رہتے ہیں اسی طرح وہ بھی آئے۔ لیکن اگر وہ بِلا استثناء سارے کے سارے خدام الاحمدیہ کے جلسہ کے لئے ہی آئے ہوں تو بھی اس کے یہ معنی ہیں کہ تمام جماعت میں سے صرف ایک سَو اکسٹھ خادم ایسے ہیں جنہوں نے اپنے کاموں کا حرج کیا اور خوشی سے خدام الاحمدیہ کے جلسہ میں شامل ہوئے۔ اور اِس کے ساتھ یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ آٹھ سَو جماعتوں میں سے صرف اکتیس جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ مجھے کہا گیا ہے کہ ہم نے الفضل میں اعلان کیا تھا لیکن چونکہ الفضل ہر جگہ نہیں پہنچتا اِس لئے آٹھ سَو جماعتوں میں سے اکتیس نمائندے آئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بات ماننے کے قابل نہیں کہ آٹھ سَو میں سے صرف اکتیس جگہ الفضل پہنچتا ہے اور باقی جگہوں میں نہیں پہنچتا۔ یہ تو مَیں مان سکتا ہوں کہ آٹھ سَو میں سے سَو یا دوسَو جگہیں ایسی ہوسکتی ہیں جہاں الفضل نہیں پہنچتا لیکن یہ کہ آٹھ سَو میں سے صرف اکتیس جگہ الفضل پہنچتا ہے یہ مَیں ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگر فرض کر لیں کہ آٹھ سَو میں سے دوسَو جماعتیں ایسی ہیں جہاں الفضل نہیں پہنچتا اور

چھ سَو جماعتیں ایسی ہیں جہاں الفضل پہنچتا ہے تو اگر چھ سَو جماعتوں میں سے چھ یا سات سَو نمائندے آ جاتے تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ باقی جماعتوں میں الفضل نہیں پہنچتا اس لئے اُن کے نمائندے نہیں آئے لیکن آٹھ سَو میں سے تیس چالیس نمائندوں کا آنا خوش کن بات نہیں اور الفضل کا نہ پہنچنا میرے نزدیک کافی جواب نہیں ہوسکتا۔ پس میرے نزدیک اس میں بہت حد تک دخل اور بہت حد تک ذمہ داری مرکزی ادارے کی ہے۔ مرکز کو چاہئے کہ انسپکٹر بھیج کر اپنی جماعتوں کی تنظیم کرے کیونکہ بغیر انسپکٹروں کے ان بیماریوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور نہ بیرونی جماعتیں پورے طور پر مرکز کی آواز کو سن سکتی ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ بہت سی غلطیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ مرکز کی آواز صحیح طور پر لوگوں تک نہیں پہنچتی۔ صرف قواعد بنانے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ ان قواعد کے نتائج کی طرف خیال رکھنا چاہئے کہ کیسے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان قواعد کو بدلنے کی ضرورت ہو تو ان کو بدل دیا جائے اور اگر ان میں اصلاح کی ضرورت ہو تو ان میں اصلاح کر دی جائے۔ دیکھو! ذی روح اور غیر ذی روح چیزوں کے قواعد میں کتنا بڑا فرق ہے۔ غیر ذی روح چیزوں کے قواعد نہیں بدلتے اور ذی روح چیزوں کے قواعد ہر منٹ اور ہر سیکنڈ بدلتے چلے جاتے ہیں۔ پھر ذِی روح چیزوں کے دو حصے ہیں۔ ایک انسان اور دوسرے حیوان۔ ان دونوں کے قواعد میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ مثلاً انسانی خوراک اور جانوروں کی خوراک میں کتنا فرق ہے۔ آدم کے زمانہ سے لے کر بلکہ اس سے بھی پہلے سے گائے اور بیل گھاس کھاتے آتے ہیں اور ان کے لئے غذا کے بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض جانور ایسے ہیں کہ وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں ایک قسم کا کیڑا کھاتے ہیں۔ بعض جانور ایسے ہیں کہ وہ جب سے پیدا ہوئے گوشت کھاتے ہیں جیسے شیر اور چیتے وغیرہ۔ اور بعض گھاس اور بعض پتے کھاتے چلے آئے ہیں۔ مگر اس کے مقابل پر انسان کی یہ حالت ہے کہ اگر گھر میں ایک ہی قسم کا کھانا دو تین دن تک پکے تو لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ خاوند بیوی سے خفگی کا اظہار کرتا ہے، بیٹا ماں سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے کہ اتنے دن سے گھر میں ایک ہی کھانا پک رہا ہے اور کوئی چیز پکانے کے لئے نہیں رہی۔ پس کجا جانور کہ ان کی خوراک ساری عمر بدلتی ہی نہیں اور کجا انسان کہ اگر ایک ہی قسم کی غذا اسے دو دن کھانی پڑے تو گھر والوں کو صلواتیں

سنانا شروع کر دیتا ہے۔ پس انسانوں اور جانوروں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس کے بعد اگر نباتات کو دیکھا جائے تو یہ فرق اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ نباتات کی جو غذائیں ہیں وہ بھی ابتداء سے آخر تک ایک ہی طرح چلتی چلی جاتی ہیں مگر ساتھ ہی وہ جگہ بھی ایک ہی رکھتی ہیں۔ جانور اپنی جگہ بدل لیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں مگر درخت پہلو بھی نہیں بدلتے جس جگہ پیدا ہوتے ہیں اُسی جگہ مر جاتے ہیں۔ بیس، پچیس، پچاس، سَو یا ہزار سال جو بھی عمر ہو اس میں وہ کبھی اپنے مقام کو نہیں بدلتا۔ جہاں انسانوں اور حیوانوں میں غذا کے بدلنے کا فرق ہے وہاں نباتات اور حیوانات میں جگہ کے بدلنے کا فرق ہے۔ انسان اور حیوان دونوں جگہ بدل لیتے ہیں لیکن حیوان غذائیں نہیں بدلتے اور انسان اپنی غذائیں بدل لیتے ہیں۔ نباتات غذائیں بھی نہیں بدلتے اور جگہ بھی نہیں بدلتے۔ بعض درخت بیسیوں اور بعض سینکڑوں سال ایک ہی جگہ پیدا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پس انسان کو دوسری اشیاء سے بھی یہی امتیاز حاصل ہے کہ اس کے حالات دوسری مخلوقات کے مقابل پر جلد جلد بدلتے ہیں اور ہر انسان کا دوسرے انسان سے بھی فرق ہوتا ہے تو یقیناً ہر زمانہ اور بعض دفعہ ہر جماعت الگ قسم کے قواعد کی محتاج ہوتی ہے مگر بعض نادان منتظم یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہر حالت میں ایک ہی علاج ہونا چاہئے۔ وہ قانون پاس کر دیتے ہیں اور اس قانون کو پاس کرنے کے بعد یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اس قانون سے ہر شخص کا علاج ہو جائے گا اور یہ قانون ہر شخص کی حالت کے مطابق ہوگا حالانکہ یہ بات ناممکن ہے۔ ہر انسان کی حالت دوسرے انسان سے الگ ہوتی ہے، ہر جماعت کی حالت دوسری جماعت سے الگ ہوتی ہے اور ہر ایک جماعت کے مختلف لوگوں کی حالت ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ جب تک ان تمام حالات کا اندازہ نہ کیا جائے اور ان کے مطابق علاج نہ سوچا جائے وہ بے اثر اور بے فائدہ ثابت ہوگا خواہ وہ علاج کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا اور بے نظیر کیوں نہ ہو۔

کام قواعد سے نہیں چلا کرتے بلکہ قواعد کے ساتھ ان کے نتائج کی طرف بھی نگاہ رکھنی چاہئے۔ یہ ایک ناتجربہ کاری کی حالت ہوتی ہے کہ انسان قانون بنا دے لیکن اس کے نتائج پر غور نہ کرے۔ میرے نزدیک جیوریز (JURY) کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ بیٹھیں اور قواعد

بنا دیں بلکہ ان قواعد کے نتائج سے پورے طور پر آگاہ ہونا بھی جیوریز کا فرض ہے اور انہیں علم ہونا چاہئے کہ انہیں ان قواعد کے بنانے سے کس حد تک اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے۔

ہر قاعدہ کو جاری کرنے کے بعد دو باتیں دیکھنی چاہئیں۔اوّل یہ کہ آیا وہ قاعدہ پورے طور پر جاری ہوا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے نتائج کیسے پیدا ہوئے ہیں۔اگر کسی جگہ پر بھی اس کے نتائج پیدا نہیں ہوئے تو وہ قاعدہ غلط ہے اور اگر بعض جگہ پیدا ہوئے ہیں اور بعض جگہ پیدا نہیں ہوئے تو یا تو اُس قاعدہ پر وہاں عمل نہیں کیا گیا اور اگر وہاں اُس قاعدہ پر عمل کرنے کے باوجود اچھے نتائج پیدا نہیں ہوئے تو ماننا پڑے گا کہ وہ قاعدہ اُس مقام و گروہ کے لئے مفید نہ تھا اور اِس کا علاج کچھ اور تھا۔اگر اس گروہ نے اس قاعدہ پر عمل نہیں کیا تو اس پر عمل کرانا چاہئے تھا اور اگر عمل کے بعد بھی اصلاح نہیں ہوئی تو کوئی اور ذریعہ اصلاح کا سوچنا چاہئے۔اگر ایک ہی علاج تمام انسانوں کے لئے کافی ہوتا تو قرآن مجید میں ہر مسئلہ کے متعلق ایک ہی دلیل بیان ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ہر رکوع میں ایک نئی دلیل دیتا ہے بلکہ ہر آیت میں ایک نئی دلیل دیتا ہے۔پس مختلف انسانوں کے علاج مختلف ہوتے ہیں، مختلف روحانی بیماریوں کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور مختلف وقتوں کے علاج مختلف ہوتے ہیں۔ایک وقت میں ہم ایک دلیل مؤثر دیکھتے ہیں لیکن دوسرے وقت میں وہ دلیل بے فائدہ اور بے اثر نظر آتی ہے۔ایک دلیل ایک انسان کے لئے تو بہت مؤثر نظر آتی ہے مگر دوسرے کے لئے بے اثر نظر آتی ہے۔ پس اگر ہم نے انسانوں سے معاملہ کرنا ہے تو ہمیں ان مشکلات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا جو ان کے راستہ میں پیش آتی ہیں۔ جب تک ہم پوری کوشش کے ساتھ مختلف افراد کی بیماریوں اور ان بیماریوں کی نوعیّتوں کی تشخیص نہیں کر لیتے اُس وقت تک نہ ہم بیماری کا پتہ لگا سکتے ہیں اور نہ اس کا صحیح علاج کر سکتے ہیں۔اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے مرضوں کا صحیح طور پر علاج بغیر انسپکٹروں کے نہیں ہوسکتا۔ پس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو چاہئے کہ وہ اپنے انسپکٹروں کو مختلف علاقوں میں دَوروں کے لئے بھیجے جب وہ دَوروں سے واپس آئیں تو اُن سے صحیح حالات معلوم کئے جائیں۔اور انسپکٹروں سے دریافت کیا جائے کہ سُستی دکھانے والی جماعتوں کی سُستی کی وجوہ کیا ہیں؟ اور پھر اس کا علاج کیا جائے۔مرکز میں بیٹھے رہنے سے ان حالات کا

صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکتا اور مرکز پر بیرونی جماعتوں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

مرکز میں دفتر موجود ہے اور پھر یہاں ہر قسم کی واقفیت رکھنے والے آدمی پائے جاتے ہیں مگر کیا جو سامان قادیان کی مجالس کو حاصل ہیں وہی کیا باقی مجالس کو بھی حاصل ہیں؟ قادیان میں علم والے آدمیوں کی بہتات ہے اور اعلیٰ قابلیت رکھنے والوں کی بہتات ہے، نصیحت اور وعظ کرنے والوں کی بہتات ہے، جماعت کی کثرت کی وجہ سے ہر قابلیت کا آدمی مل سکتا ہے لیکن اِن حالات کو بیرونی جماعتوں پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر جگہ نہ اتنی قابلیتوں کے آدمی مل سکتے ہیں، نہ اتنے وعظ و نصیحت کرنے والے میسر آ سکتے ہیں، نہ وہاں جماعت کی اتنی کثرت ہے کہ خدام الاحمدیہ کے نظام کو جماعتی طور پر دباؤ ڈال کر قائم کیا جا سکتا ہو بلکہ بعض مقامات میں ایک احمدی ہے، بعض میں دو، بعض میں تین، بعض میں چار، اِس سے کم و بیش احمدی ہیں اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی احمدی بھی تعلیم یافتہ نہیں، بعض جگہوں پر قابل آدمی مل سکتے ہیں، بعض جگہوں پر نہیں مل سکتے اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں قابل آدمی تو موجود ہیں لیکن ان کی قابلیت چھپی ہوئی ہے جب تک اُن کو اُبھارا نہ جائے اُس وقت تک وہ قابلیتیں ہمارے کام نہیں آ سکتیں۔ پس ضروری ہے کہ انسپکٹر مقرر کئے جائیں جو باہر کی جماعتوں کی پورے طور پر نگرانی کریں اور جو قانون مرکز میں جاری کئے جائیں ان کو رواج دینے کی کوشش کریں۔

اِس کے بعد میں خدام کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آئندہ سالوں میں ہاتھ سے کام کرنے کی روح کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور خدام سے ایسے کام کرائے جائیں جن میں وہ ہتک محسوس کرتے ہوں اور وہ کام انفرادی طور پر کرائے جائیں۔ جس وقت قادیان کے تمام خدام جمع ہوں اور وہ سب ایک ہی کام کر رہے ہوں تو اُنہیں اُس وقت کسی کام میں ہتک محسوس نہیں ہوگی کیونکہ اُن کے دوسرے ساتھی بھی اُن کے ساتھ اُسی کام میں شریک ہوتے ہیں لیکن اگر ایک خادم اکیلا کوئی کام کر رہا ہو اور اُس کے ساتھی اُسے دیکھیں تو وہ ضرور ہتک محسوس کرے گا۔ میرا اِس سے یہ مطلب نہیں کہ اجتماعی طور پر کوئی کام نہ ہو بے شک اجتماعی طور پر بھی ہو لیکن انفرادی کام کے مواقع بھی کثرت سے پیدا کئے جائیں۔ مثلاً کسی غریب کا آٹا اُٹھا کر اُس کے گھر پر پہنچا دیا جائے یا کسی غریب کا چارہ اُٹھا کر اُس کے گھر پہنچا دیا جائے یا کسی غریب کی

روٹیاں پکوا دی جائیں۔ جب خادم روٹیاں پکوانے جائے گا تو دل میں ڈر رہا ہوگا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے اور اگر کوئی دوست اُسے راستے میں مل جائے تو اُسے کہے گا میری اپنی نہیں فلاں غریب کی ہیں۔ اُس کا یہ اظہار کرنا اِس بات کی دلیل ہوگا کہ وہ اِس کام کو ہتک آمیز خیال کرتا ہے یہ پہلا قدم ہوگا۔ اِسی طرح بعض اور کام اس نوعیت کے سوچے جا سکتے ہیں۔ ایسے کام کرانے سے ہماری غرض یہ ہے کہ کسی خادم میں تکبر کا شائبہ باقی نہ رہے اور اس کا نفس مر جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ایک کام کرنے کو تیار ہو جائے۔

ایک اور بات جو بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ خدام کی سختی کے ساتھ نگرانی کی جائے کہ وہ با جماعت نماز ادا کرتے ہیں یا نہیں۔ ابھی تک محلوں سے اطلاعات آتی رہتی ہیں کہ بعض خادم نمازوں میں سُست ہیں اور باوجود بار بار کہنے کے اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ زعماء کو چاہئے کہ اُن کی طرف خاص توجہ کریں۔ خدام کے عہدیداران اُن کے پاس جائیں اور انہیں سمجھائیں۔ اگر اِس کے باوجود وہ توجہ نہ کریں تو محلّہ کے پریذیڈنٹ اور دوسرے دوست انہیں سمجھائیں۔ اگر اِس کے بعد بھی وہ نمازوں میں سُستی کریں تو اُن کے نام میرے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہ ایک بہت ضروری حصہ ہے خدام الاحمدیہ کے پروگرام کا۔

خدام الاحمدیہ کے پروگرام میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہئے کہ خدام کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا جائے اور اس بات کی نگرانی کی جائے کہ کون کون خادم سٹڈی (STUDY) کے وقت گلیوں میں پھرتا ہے، اِس بات کی نگرانی کے لئے کچھ خادم ہر روز مقرر کئے جا سکتے ہیں اُن کو جہاں کوئی خادم بازار میں پھرتا ہوا مل جائے اُسے پوچھیں کہ تمہارا سٹڈی کا وقت ہے اور تم بازار میں کیوں پھر رہے ہو؟ اگر اِس بات کی نگرانی کی جائے تو ایک تو طالب علموں میں آوارہ گردی کی عادت نہ رہے گی اور دوسرے وہ پڑھائی میں زیادہ دلچسپی لیں گے۔ ہمارے طالب علموں کی پڑھائی کی موجودہ حالت بہت قابلِ افسوس ہے اور ہمارے سکول کے نتائج اِس وقت تمام سکولوں سے بدتر ہیں۔ میں نے نظارت تعلیم و تربیت کو یہ ہدایت کی کہ صرف اُن اُستادوں کو اِس سال ترقیاں دی جائیں جن کے نتائج اوسط سے پانچ فیصدی زیادہ ہوں۔ اِس پر ناظر صاحب تعلیم مجھے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے مقررہ کردہ قاعدہ کے مطابق تو سارے سکول میں سے

صرف ایک استاد ایسا ہے جسے ترقی مل سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ سارے پنجاب میں میٹرک کے نتیجہ کی اوسط ۶۷ فیصدی ہے گورنمنٹ سکولوں کا نتیجہ ۹۹ فیصدی بلکہ بعض کا سَو فیصدی ہے لیکن آپ کہتے ہیں کہ اوسط پر پانچ فیصدی زائد کرنے سے صرف ایک استاد کو ترقی مل سکتی ہے اچھا آپ اِن اُستادوں کو ترقیاں دے دیں جن کا نتیجہ اوسط کے برابر ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ اِس قاعدہ کے ماتحت بھی صرف دو اُستاد آتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا اوسط سے پانچ فیصدی کم پر ترقی دے دیں تو وہ کہنے لگے اِس قاعدہ کے ماتحت بھی صرف چار اُستاد آتے ہیں۔ اور اِس پر مَیں نے انہیں کہا کہ کیا باقیوں کو جماعت کے لڑکے فیل کرنے کی خوشی میں ترقیاں دی جائیں؟ ہمارے استاد اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور لڑکوں کی نگرانی کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت حد تک نتیجہ کی ذمہ داری لڑکوں پر بھی ہے لیکن جہاں تک نگرانی کا تعلق ہے میں اِس کی ذمہ داری اُستادوں پر ڈالتا ہوں کہ انہوں نے کیوں ان کی نگرانی نہیں کی۔ جہاں تک شوق پیدا کرنے کا سوال ہے خدام الاحمدیہ کا فرض ہے کہ وہ طلباء کے لئے ایسے طریق سوچیں جن کی وجہ سے خدام میں تعلیم کا شوق ترقی کرے۔ بہرحال نگرانی سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ پڑھائی کے وقت سب خدام گھروں میں بیٹھ کر پڑھائی کریں اور جو طالب علم باہر پھرتا ہوا پکڑا جائے اُس سے باز پُرس کی جائے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر خدام اس پر عمل کریں تو جن طالب علموں کو باہر پھرنے کی عادت ہو وہ خود بخود گھر میں سٹڈی کرنے پر مجبور ہونگے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ باہر تو پھر نہیں سکتے چلو کوئی کتاب ہی اُٹھا کر پڑھ لیں۔ ہمارے ملک میں مثل مشہور ہے کہ ''جاندے چور دی لنگوٹی ہی سہی''۔ یعنی جاتے چور کی لنگوٹی ہی سہی اگر چور چوری کر کے بھاگا جارہا ہو اور تم اُس سے اور کچھ نہیں چھین سکتے تو اُس کی لنگوٹی ہی چھین لو آخر کچھ نہ کچھ تو تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک فقیر تھا جو اکثر اُس کمرے کے سامنے جہاں پہلے محاسب کا دفتر تھا بیٹھا کرتا تھا۔ جب اُسے کوئی آدمی احمدیہ چوک میں سے آتا ہوا نظر آتا تو کہتا ایک روپیہ دیدے، جب آنے والا کچھ قدم آگے آجاتا تو کہتا اٹھنی ہی سہی۔ جب وہ کچھ اور آگے آتا تو کہتا چونی ہی سہی، جب اُس کے مقابل پر آجاتا تو کہتا دوآنے ہی

دے دے، جب اس کے پاس سے گزر کر دو قدم آگے چلا جاتا تو کہتا ایک آنہ ہی سہی، جب کچھ اور آگے چلا جاتا تو کہتا ایک پیسہ ہی دیدے، جب کچھ اور آگے چلا جاتا ہے تو کہتا دھیلا ہی سہی، جب جانے والا اُس موڑ کے قریب پہنچتا جہاں سے مسجد اقصیٰ کی طرف مُڑتے ہیں تو کہتا پکوڑا ہی دیدے، جب دیکھتا کہ آخری نکڑ پر پہنچ گیا ہے تو کہتا مرچ ہی دے دے۔ وہ روپیہ سے شروع کرتا اور مرچ پر ختم کرتا۔ اِسی طرح کام کرنے والوں کو بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ کچھ نہ کچھ تو ہمارے ہاتھ آ جائے۔ اگر پہلی دفعہ سَو میں سے ایک کی طرف توجہ کرے گا تو اگلی دفعہ دو ہو جائیں گے اِس سے اگلی دفعہ چار ہو جائیں گے اور اس طرح آہستہ آہستہ بڑھتے چلے جائیں گے پس کام کرو اور پھر نتیجہ دیکھو۔ جب دُنیوی کام بے نتیجہ نہیں ہوتے تو کس طرح سمجھ لیا جائے کہ اخلاقی اور روحانی کام بغیر نتیجہ کے ہو سکتے ہیں لیکن جن کے من حرامی ہیں وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو کام کرتے ہیں لیکن نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہنے سے اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو اپنی طرف سے پوری محنت کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ ہم سے دشمنی نکال رہا ہے۔ یہ کہنا کس قدر حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے۔ گویا اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو کام ہم کرتے ہیں اُس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ لیکن اچھے یا بُرے نتیجہ کا دارومدار ہمارے اپنے کام پر ہوتا ہے۔ کسی شخص نے ۱۰/۱ حصہ کسی کام کے لئے محنت کی تو قانون قدرت یہی ہے کہ اُس کا ۱۰/۱ نتیجہ نکلے۔ اب اس کے ۱۰/۱ حصہ نکلنے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کی وجہ سے ۱۰/۱ حصہ نتیجہ نکلا ورنہ اُس نے محنت تو زیادہ کی تھی۔ قانون قدرت کسی محنت کو ضائع نہیں کرتا لیکن شرارتی نفس یہ کہتا ہے کہ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا تھا لیکن اللہ میاں اپنا فرض ادا کرنا بھول گیا اِس سے بڑا کفر اور کیا ہوسکتا ہے۔ پس جہاں تک محنت اور کوشش کا سوال ہے نتائج ہمارے ہی اختیار میں ہیں۔ اگر نتیجہ اچھا نہیں نکلتا تو سمجھ لو کہ ہمارے کام میں کوئی غلطی رہ گئی ہے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ ہر کام کے نتائج کسی معیّن صورت میں ہمارے سامنے آ سکیں۔ اگر ہمارے پاس ریکارڈ محفوظ ہو تو ہم اندازہ کر سکیں گے کہ پچھلے سال سے اس سال نمازوں میں کتنے فیصدی ترقی ہوئی، تعلیم میں کتنے فیصدی ترقی ہوئی، اخلاق میں کتنے فیصدی ترقی ہوئی،

کتنے خدام پچھلے سال باہر کی جماعتوں سے سالانہ اجتماع میں شمولیت کے لئے آئے اور کتنے اس سال آئے ہیں اِسی طرح باہر کی خدام الاحمدیہ کی جماعتیں بھی اپنے ہاں ان باتوں کا ریکارڈ رکھیں کہ پچھلے سال تعلیم کتنے فیصدی تھی اور اس سال کتنے فیصدی ہے، اخلاق میں کتنے فیصدی ترقی ہوئی۔ اور یہ قانون بنا دیا جائے کہ ہر جماعت اجتماع کے موقع پر اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائے تا کہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ تمہارا قدم ترقی کی طرف جا رہا ہے یا تنزّل کی طرف۔ اِس میں شبہ نہیں کہ کبھی اندازہ میں غلطی بھی ہوسکتی ہے لیکن عام طور پر اندازہ صحیح ہوتا ہے اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کچھ نہ کچھ قدم ضرور ترقی کی طرف اُٹھے گا۔ صحیح اندازہ لگانے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ دس فیصدی کام اس رپورٹ میں سے کم کر دیا جائے۔ مثلاً کسی جماعت کی ترقی بارہ یا پندرہ فیصدی ہے تو اس میں سے دس فیصدی کم کرنے کے بعد ہم کہیں گے کہ اس جماعت نے دس فیصدی ترقی کی ہے پھر تمام جماعتوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے کہ تبلیغی طور پر کونسی مجلس اوّل ہے، تعلیم میں کونسی مجلس اوّل ہے، اخلاق کی ترقی میں کونسی مجلس اوّل ہے، ہاتھوں سے کام کرنے میں کونسی مجلس اوّل ہے، نمازوں کی باقاعدگی میں کونسی مجلس اوّل ہے۔ اس قسم کے مقابلوں سے ایک دوسرے سے بڑھنے کی رُوح ترقی کرے گی اور اگر کسی مجلس کا کام فرض کرو پچھلے سال بھی دس فیصدی تھا اور اس سال بھی دس فیصدی ہے تو اُس کے متعلق سوچنا چاہئے کہ کیا وجوہ ہیں جو اُس مجلس کی ترقی میں روک ہیں۔ پس ایسے ذرائع سوچے جا سکتے ہیں جن سے معیّن نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔

سات سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کے لئے کہنا چاہئے اور اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھتا ہو تو اُسے مار پیٹ کر نماز پڑھانی چاہئے[۱]۔ گویا پہلے سات سال ترغیب وتحریص کے ہیں اور اگلے سال میں سختی بھی کی جا سکتی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعض لڑکوں کو جہاد میں شامل ہونے کی اجازت دی ہے۔ پس اگر آج ساری ذمہ داریاں تم پر نہیں ہیں تو آج سے آٹھ سال کے بعد تمہیں تمام ذمہ داریاں اپنے اوپر لینی ہوں گی اور خدا تعالیٰ کے نزدیک تم ایک ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جس مقام پر پہنچ کر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

پس جس دَور میں تم داخل ہو رہے ہو نہایت نازک دَور ہے اور جو ذمہ داریاں تم پر پڑنے والی ہیں وہ بہت بڑی ہیں گو پہلے بھی تم ذمہ داریوں سے خالی نہیں لیکن آئندہ ذمہ داریاں ان سے بڑھ کر ہوں گی۔ میرے نزدیک پچھلے سات سال تم نے ضائع کر دیئے ہیں اگر آئندہ سات سال بھی آپ لوگوں نے ضائع کر دیئے تو آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موردِالزام ہوں گے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور سمجھ سوچ سے کام لیتے ہوئے ہر کام کو پہلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ چلانے کی کوشش کرو۔ اندھا دُھند قانون بنا دینا کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کسی قانون کے متعلق یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ واقعی مفید ہے اور ہر جگہ جاری کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اندھا دُھند قانون بنانے والوں کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مثل سنایا کرتے تھے کہ ایک مُلّا تھا اور اُس کے ساتھ اُس کا کنبہ بھی تھا وہ دریا کے کنارے کشتی پر سوار ہونے کے لئے آئے ملاّح اُن کے لئے کشتی لینے گیا کشتی چونکہ کنارے کے پاس ہی تھی مُلّا نے دیکھا کہ ملاّح کے ٹخنوں تک پانی آتا ہے اور دریا کی چوڑائی اتنی ہے اس لحاظ سے زیادہ سے زیادہ پانی کمر تک آ جائے گا حالانکہ دریا کے متعلق اس قسم کا اندازہ لگانا حد درجے کی حماقت ہے کیونکہ دریا میں اگر ایک جگہ ٹخنے تک پانی ہو تو اُس کے ساتھ ہی ایک فٹ کے فاصلہ پر بانس کے برابر ہو سکتا ہے مگر اُس مُلّا نے اربعہ سے نتیجہ نکالا کہ پانی کمر تک آئے گا۔ یہ خیال کرتے ہوئے اُس نے کشتی کا خیال چھوڑ دیا اور سب بیوی بچوں کو لے کر دریا عبور کرنے لگا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ پانی بہت گہرا ہو گیا اور سب غوطے کھانے لگے خود تو وہ تیرنا جانتا تھا اس لئے اُس نے اپنی جان بچا لی مگر بیوی بچے سب ڈوب گئے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر پھر اربعہ لگانے لگا کہ شاید پہلے میں نے اربعہ لگانے میں کوئی غلطی کی ہے لیکن دوبارہ وہی نتیجہ نکلا تو وہ کہنے لگا کہ ''اربعہ نکلا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں''۔ پس بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اربعہ نہیں لگایا جا سکتا ہر ایک چیز کا اندازہ الگ الگ طریقہ پر کیا جاتا ہے اور ہر ایک بیماری کا علاج الگ الگ ہوتا ہے، خالی قانون بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک حالات کو مدنظر نہ رکھا جائے۔

پس میں آئندہ نتیجہ دیکھوں گا میں نہیں سنوں گا کہ کون سیکرٹری تھا اور کس نے اُسے سیکرٹری

بنایا مجھے تو کام سے غرض ہے کہ خدام نے نمازوں میں کتنی ترقی کی، سادہ زندگی میں کتنی ترقی کی اور سادہ زندگی کے کن کن اصول پر انہوں نے عمل کیا، تعلیم میں کتنی ترقی کی، کتنے لڑکوں نے انٹرنس، کتنے لڑکوں نے ایف۔اے اور بی۔اے کے امتحان دیئے، کتنے لڑکے انٹرنس کے بعد کالجوں میں داخل ہوئے، کتنے لڑکوں نے مڈل اور پرائمری کے امتحان دیئے، کتنے لڑکوں نے تبلیغ میں حصہ لیا، ان کے ذریعہ کتنے آدمی احمدی ہوئے، کتنے خدام نے زندگی وقف کی۔

تھوڑے دن ہوئے میں نے تجارت کی تحریک کی ہے اور قادیان میں بیسیوں لڑکے ایسے ہیں جو بے کار ہیں اور ان کے ماں باپ گندم کے لئے منظوریاں لیتے پھرتے ہیں۔ عرضی میں لکھتے ہیں کہ بیس سال کا لڑکا ہے مگر بے کار ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جس لڑکے کے والدین کی یہ حالت ہے وہ بے کار کیوں بیٹھا ہے؟ محلّہ کا پریذیڈنٹ سفارش کرتا ہے کہ یہ امداد کے بہت مستحق ہیں۔ میں کہتا ہوں ایسے لڑکے امداد کے مستحق نہیں بلکہ اِس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کو بید لگائے جائیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ یہ فلاں کے گھر میں کام کرتے ہیں وہاں سے اُنہیں آٹھ روپے ملتے ہیں لیکن آٹھ روپے میں گزارہ نہیں ہوتا اِس لئے اُن کو گندم دی جائے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اگر یہ لوگ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے تو کیوں پھیری کا کام نہیں کر لیتے۔ پھیری والے ہر روز تین روپے کما لیتے ہیں۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ آپ کا لڑکا کیوں بے کار ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں قسم کا کام ملتا ہے لیکن اُس کی مرضی ہے کہ مجھے اس قسم کا کام ملے تو میں کروں اس لئے بے کار ہے۔ (جلسہ کے دنوں میں ایک دوست ملے کہ میرے لڑکے کو چپڑاسی کروا دیں میں نے کہا کہ گورنمنٹ ورکشاپ میں ملازم کروا دیتا ہوں دو چار سال میں اسّی روپے کمانے لگے گا آپ چپڑاسی کیوں بنواتے ہیں؟ اِس پر انہوں نے فرمایا کہ لڑکے کی مرضی چپڑاسی ہونے کی ہی ہے۔) ایسے لڑکوں کی عقلوں کو درست کرنا چاہئے اور انہیں بتانا چاہئے کہ بے کاری ایک ایسی چیز ہے جو جماعتی لحاظ سے اور شخصی لحاظ سے دونوں طرح سخت مُضِرّ ہے۔ میرا خیال ہے کہ صرف قادیان میں سے دو تین سَو آدمی ایسے نکل آئیں گے جو ایسے وقت میں جب کہ ہر طرف روزگار مل رہے ہیں بے کار بیٹھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ جماعت پر بار بن رہے ہیں، وہ اپنے رشتہ داروں

پر بار بن رہے ہیں، وہ اپنے گھر والوں پر بار بنے ہوئے ہیں اگر وہ اپنے آپ کو وقف کریں تو تبلیغ کی تبلیغ اور کام کا کام۔ ہمارے ہاں مثل مشہور ہے ’’نالے حج نالے بیو پار‘‘ یہ تبلیغ کی تبلیغ ہو گی اور بیو پار کا بیو پار ہوگا۔

بلکہ ایک اور بات جس کی طرف میں خدام الاحمدیہ کو خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی صحتیں نہایت کمزور ہیں اور دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہیں۔ جب میں نوجوانوں کی صحتیں دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہم لوگ جو اپنے آپ کو کمزور صحت والے خیال کرتے ہیں اِن نوجوانوں سے اچھے ہیں۔ آجکل کے نوجوانوں کے قد بہت چھوٹے ہیں یا بہت پتلے دُبلے یا بہت موٹے، موٹاپا بیماری کی ایک قسم ہوتی ہے، چہرے زرد ہیں اور چہروں پر جھریاں پڑی ہوتی ہیں گویا ان پر جوانی آنے سے پہلے ہی بڑھاپے کا زمانہ آجاتا ہے۔ کہتے ہیں کوئی بُڈھا بازار میں پاؤں پھسلنے کی وجہ سے گر پڑا تو بولا ہائے جوانی یعنی اب جوانی جو کہ تنومندی اور قوت کے دن تھے جاتے رہے اور میں محض بڑھاپے کی وجہ سے گر گیا ہوں۔ جب اُٹھا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کے اِرد گرد کوئی آدمی نہیں تو اِس پر بولا ’’پھٹے منہ جوانی ویلے توں کہیڑا بہادر سی‘‘ یعنی تیرے منہ پر پھٹکار پڑے تو جوانی کے وقت کونسا بہادر تھا۔ ہمارے نوجوانوں کا بھی یہی حال ہے اِن پر جوانی آنے سے پہلے ہی بڑھاپے کا زمانہ آجاتا ہے۔ اگر نوجوانوں کی صحتوں کی یہی حالت رہی تو یہ خطرہ سے خالی نہیں۔ پس خدام الاحمدیہ کا یہ فرض ہے کہ نوجوانوں کی صحت کی طرف جلد توجہ کریں اور ان کے لئے ایسے کام تجویز کریں جو محنت کشی کے ہوں اور جن کے کرنے سے ان کی ورزش ہو اور جسم میں طاقت پیدا ہو۔ مثلاً ہر جماعت میں جتنے پیشہ ور ہیں اُن سے کہا جائے کہ وہ خدام کو سائیکل کھولنا اور جوڑنا یا موٹر کی مرمت کا کام یا موٹر ڈرائیونگ سکھا دیں۔ یہ کام ایسے ہیں کہ ان میں انسان کی صحت بھی ترقی کرتی ہے اور انسان ان کو بطور ہابی (HOBBY) کے سیکھ سکتا ہے اور اگر اسے شوق ہو تو اس میں بہت حد تک ترقی بھی کر سکتا ہے۔ سکھ قوم کے مالدار ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ قوم لاری ڈرائیونگ اور لوہار کے کام میں سب سے آگے ہے اور پنجاب کی تمام لاریاں اور اکثر مستری خانے ان کے قبضہ میں ہیں جس جگہ جاؤ تمہیں لاری ڈرائیور سکھ ہی نظر آئے گا حالانکہ

سکھ پنجاب میں کُل دس بارہ فیصدی ہیں لیکن سفر کے تمام ذرائع اِنہوں نے اپنے قبضہ میں لے رکھے ہیں۔ کسی سڑک پر کھڑے ہو جاؤ، کسی ضلع یا تحصیل میں چلے جاؤ تم دیکھو گے کہ سائیکلوں پر گزرنے والوں میں دو تہائی سکھ ہوں گے اور ایک تہائی ہندو یا مسلمان ہوں گے۔ اور اگر تم گاؤں میں چلے جاؤ تو تم دیکھو گے کہ ایک سکھ سائیکل پر سوار ہے اور اپنی بیوی کو پیچھے بٹھائے لئے جا رہا ہے۔ موٹروں کی درستی کے جتنے کارخانے ہیں ان میں سے اکثر سکھوں کے ہیں۔ بندوق بنانے، کارتوس بنانے، لاریاں بنانے، سائیکل بنانے، مشینری بنانے کے جتنے کارخانے ہیں سب سکھوں کے ہیں کیونکہ جتنی سہولت ان کو ان چیزوں کے بنانے میں ہے دوسرے لوگوں کو نہیں۔ اوّل تو ہمارے مسلمانوں کے پاس موٹریں ہی نہیں اور اگر کسی کے پاس ہے بھی تو وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ اگر کسی جگہ موٹر یا لاری خراب ہو جائے تو پھر سورن سنگھ کی منتیں کریں گے کہ اسے درست کر دو۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا روپیہ سکھوں کے پاس ہے اتنا قومی طور پر ہندوؤں کے پاس بھی نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ قوم محنت کی بہت عادی ہے۔

لاہور میں ایک سکھ نوجوان سے جو کہ بی۔اے پاس تھا اور بانسوں اور رسیوں کی دُکان کرتا تھا میں نے پوچھا کہ آپ ملازمت کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ کہنے لگا کہ میرے دوسرے ساتھیوں میں سے جو ملازم ہیں کوئی چالیس روپے لیتا ہے اور کوئی پچاس روپے اور میں تین چار سَو روپے ماہوار کما لیتا ہوں مجھے نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہماری جماعت اِن کاموں میں ترقی کرنے کی کوشش کرے تو وہ دوسری جماعتوں سے پیچھے رہ جائے۔ اگر ہماری جماعت میں سے پانچ چھ فیصدی لوگ مستری ہو جائیں تو پھر اُمید کی جاسکتی ہے کہ ہمارے لوگ مشینری میں کامیاب ہو سکیں گے کیونکہ اِن لوگوں کو آرگنائز کر کے آئندہ اِن کے لئے زیادہ اچھا پروگرام بنایا جا سکتا ہے اور کچھ اور لوگوں کو ان کے ساتھ لگا کر کام سکھایا جا سکتا ہے۔ اس وقت میرے نزدیک اگر مرکزی مجلس ایک موٹر خرید سکے تو یہ بہت مفید کام ہو گا اِس کے ذریعے خدام کو موٹر ڈرائیونگ کا کام سکھایا جائے اور یہ بتایا جائے کہ موٹر کی عام مرمت کیا ہوتی ہے، جو خادم سیکھیں ان میں سے بعض مختلف جگہوں پر موٹر کی مرمت کی دُکان کھول لیں۔

یہ بہت مفید کام ہے اِس میں جسمانی صحت بھی ترقی کرے گی اور آمدنی کا ذریعہ بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کو گھوڑے کی سواری، سائیکل کی سواری سکھائی جائے۔ سائیکل کی سواری کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہوتی ہے کہ اُسے کھولنا اور مرمت کرنا آتا ہو کیونکہ بعض اوقات چھوٹی سی چیز کی خرابی کی وجہ سے انسان بہت بڑی تکلیف اُٹھاتا ہے۔ پس ہمارے خدام کو مشینری کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے آجکل مشینوں میں برکت دی ہے جو شخص مشینوں پر کام کرنا جانتا ہو وہ کسی جگہ بھی چلا جائے اپنے لئے عمدہ گذارہ پیدا کر سکتا ہے۔ آجکل تمام قسم کے فوائد مشینوں سے وابستہ ہیں اور جتنا مشینوں سے آجکل کوئی قوم دُور ہوگی اُتنی ہی وہ ترقیات میں پیچھے رہ جائے گی۔ اسی طرح اگر خدام لوہار، ترکھان، بھٹی اور دھونکنی کا کام سیکھیں تو ان کی ورزش کی ورزش بھی ہوتی رہے گی اور پیشے کا پیشہ بھی ہے۔ چونکہ خدام کے لئے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے اگر خدام ایسے کام کریں تو وہ ایک طرف ہاتھ سے کام کرنے والے ہوں گے اور دوسری طرف اپنا گزارہ پیدا کرنے والے ہوں گے۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا یہ ہمارا طرۂ امتیاز ہونا چاہئے جیسے بعض قومیں اپنے اندر بعض خصوصیتیں پیدا کر لیتی ہیں۔ وہ قومیں جو سمندر کے کنارے پر رہتی ہیں وہ نیوی میں بڑی خوشی سے بھرتی ہوتی ہیں لیکن اگر انفنٹری میں بھرتی ہونے کے لئے اُنہیں کہا جائے تو اِس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہونگے۔ اور اگر پنجاب کے لوگوں کو نیوی میں بھرتی ہونے کے لئے کہا جائے تو وہ اِس سے بھاگتے ہیں لیکن انفنٹری میں خوشی کے ساتھ بھرتی ہوتے ہیں اور یہ صرف عادت کی بات ہے۔ پس ہمارے خدام کو یہ ذہنیت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے کہ یہ مشینوں کا زمانہ ہے اور آئندہ زندگی میں وہ مشینوں پر کام کریں گے۔ اگر کارخانوں میں کام نہ کر سکو تو ابتداء میں لڑکوں میں ان کھیلوں کا ہی رواج ڈالو جن میں لوہے کے پُرزوں سے مشینیں بنانی سکھائی جاتی ہیں۔ مثلاً لوہے کے ٹکڑے ملا کر چھوٹے چھوٹے پُل بناتے ہیں، پنگھوڑے، ریلیں اور اِسی قسم کی بعض اور چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ ایسی کھیلوں سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ بچوں کے ذہن انجینئرنگ کی طرف مائل ہوں گے۔

یہ سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے اِس لئے خدام الاحمدیہ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری

جماعت کا ہر فرد سائنس کے ابتدائی اصولوں سے واقف ہو جائے اور ابتدائی اصول اِس کثرت کے ساتھ جماعت کے سامنے دُہرائے جائیں کہ ہمارے نائی، دھوبی بھی یہ جانتے ہوں کہ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنا ہوا ہے۔ یا روشنی آکسیجن لیتی ہے اور کاربن چھوڑتی ہے اگر اسے آکسیجن نہ ملے تو بجھ جاتی ہے۔ جب اِن ابتدائی باتوں سے اکثر لوگ واقف ہو جائیں گے تو بعد میں آنے والے اِن سے اُوپر کے درجہ پر ترقی پا جائیں گے۔

ایڈیسن جس نے ایک ہزار ایک ایجادیں کی ہیں وہ ایک کارخانے میں چپڑاسی تھا۔ کارخانے میں جو تجربات ہوتے وہ ان کو غور سے دیکھتا رہتا۔ اُس کی اس دلچسپی کو دیکھ کر ایک افسر نے اُسے ایسی جگہ مقرر کر دیا جہاں وہ کام بھی سیکھ سکتا تھا۔ پھر اُسے ایسی درسگاہ میں داخل کرا دیا گیا جہاں وہ ایک حد تک علمِ سائنس سے واقف ہو سکے۔ آخر وہ ایجادیں کرنے لگ گیا اور آج وہ دنیا کا سب سے بڑا موجد سمجھا جاتا ہے۔ بجلی، فونوگراف، ٹیلیفون اِسی طرح کی اور بہت سی چیزیں اِس نے ایجاد کیں اور بعض چیزوں میں ایسی شاندار ترمیم کی کہ وہ ایک نئی چیز بن گئیں۔ پس جن لوگوں کے دماغ سائنس سے مانوس ہوں وہ دوسری کتابوں سے امداد لے کر ترقی کر جائیں گے۔ بعض لوگ بظاہر نکمّے اور بے عقل سمجھے جاتے ہیں لیکن جب اُن کا دماغ کسی طرف چلتا ہے تو حیران کُن نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو بہت زیادہ عقلمند اور ہوشیار نظر آئے وہی سائنس میں ترقی کرے۔ اِس وقت قادیان میں سب سے زیادہ کامیاب کارخانہ میاں محمد احمد خان کا ہے۔ کچھ دن ہوئے مجھے ایک سائنس کا پروفیسر ملا تھا اُس نے مجھے حیرت کے ساتھ کہا کہ میک ورکس نے بہت ترقی کی ہے اور ان کی بعض چیزیں بہت قابلِ تعریف ہیں لیکن میاں محمد احمد خان جو اِس کارخانہ کے موجد ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی ٹوپی رکھ کر بھول جاتے ہیں کہ کہاں رکھی ہے اور بعض دفعہ ٹوپی اُن کے سر پر ہوتی ہے اور وہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اُن کی ٹوپی ان کے سر پر تھی اور وہ اپنے ماموں میاں بشیر احمد صاحب کی ٹوپی بغل میں دبا کر چل پڑے۔ میاں صاحب نے دیکھا کہ میری ٹوپی لئے جا رہے ہیں تو بُلا کر کہا کہ اگر ٹوپی کی ضرورت ہے تو بے شک لے جاؤ ورنہ تمہاری ٹوپی تمہارے سر پر ہے۔ غرض ایک طرف تو اُن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میری ٹوپی میرے سر پر ہے یا نہیں

دوسری طرف سائنس میں اُن کا دماغ خوب چلتا ہے۔ تو بظاہر بعض لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تو کوئی کام بھی نہیں کر سکیں گے لیکن جب اُن کا دماغ کسی طرف چل پڑتا ہے تو وہ دنیا کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ پس میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں ہمارے دوست دینی علوم سے واقف ہوں وہاں کچھ نہ کچھ انہیں سائنس کے ابتدائی اصول سے ضرور واقفیت ہونی چاہئے کیونکہ ان کا جاننا بھی اس زمانہ کے لحاظ سے بہت ضروری ہے۔

آج میں نے اتنا وسیع پروگرام آپ لوگوں کو بتا دیا ہے کہ اگر آپ اس کے مطابق کام کریں تو دو تین سال میں جماعت کی کایا پلٹ جائے گی اور جماعت اپنے پہلے مقام سے بہت بلند مقام پر پہنچ جائے گی اور دشمن تسلیم کریں گے کہ اِس جماعت کا مقابلہ ناممکن ہے۔ دشمن جب بھی جماعت کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھے گا اُس کی نظریں خیرہ ہو جائیں گی۔

میری صحت تو اچھی نہیں تھی لیکن اِس کے باوجود میں طبیعت پر بوجھ ڈال کر آ گیا ہوں۔ رات سے اسہال ہو رہے ہیں اگر بیٹھوں تو کھڑا نہیں ہو سکتا اور اگر کھڑا ہوں تو بیٹھ نہیں سکتا۔ اب میں دعا کر کے جلسہ کو ختم کرتا ہوں۔

(الفضل ۱۸، ۲۱ جنوری ۱۹۴۶ء)

۱؎ ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب متٰی یؤمر الغلام بالصلوٰۃ